© rasailojaraid.com

(۳) ہیئۃ کبار العلماء (سعودی عرب)

(۴) المجمع الفقہ الاسلامی (سعودی عرب)

(۵) اسلامک فقہ اکیڈمی (ہندوستان)

(۶) ادارہ مباحثِ فقہیہ (ہندوستان)

(۷) امارتِ شرعیہ پھلواری شریف (ہندوستان)

(۸) مجمع البحوث الاسلامیۃ (مصر)

(۹) مجمع الفقہ الاسلامی (جنوبی امریکہ)

ان کے علاوہ بھی کئی ادارے کام کررہے ہیں اور جدید مسائل کے سلسلے میں ان کے اجتماعی فتاویٰ (یعنی قراردادیں) وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ دینی مدارس بھی اپنے یہاں قائم دارالافتاء کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کررہے ہیں۔ ان کے فتاویٰ سماجی نظام میں کسی حد تک قابل قبول ہیں، مگر عملی طور پر عدالتی نظام میں ان کا بہت زیادہ کردار نہیں ہے۔ اس کے باوجود لوگ ان نجی فتاویٰ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔

حواشی ومراجع

ا۔ عبدالدائم جلالی، سید، لغات القرآن، ج ۵، ص ۳۸، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۶ء

ا۔ شیخ حسین محمد ملاح، الفتویٰ نشاتہا وتطورھا، دارالفکر، دمشق، ج ۱، ص ۳۹۸

۲۔ ابن صلاح، ادب المفتی والمستفتی، میر محمد کتب خانہ کراچی، ص ۴۲

۳۔ سعید فائز الدخیل، موسوعۃ فقہ عائشۃ ام المومنین، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۹ء

۴۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ص ۴۹۳

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کحالہ، عمر رضا، اعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

۶۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ج ۱، ص ۴۹

۷۔ فواد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۹۹۶

۸۔ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، مارچ ۱۹۹۸ئ، ص ۸۶

۹۔ ملاحظہ ہو: سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء (مترجم)، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

۱۰۔ ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین عن رب العالمین، عنوان 'فتاویٰ امام المتقین'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۔ یہ فتاویٰ ۱۹۰۷ء میں اردو ترجمہ کے ساتھ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے شائع کیے۔
۱۲۔ الجوزیہ، ابن قیم، اعلام الموقعین، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ج ا، ص ۱۴
۱۳۔ العانی محمد شفیق، الفقہ الاسلامی، مطبعہ البیان العربی، ۱۹۶۵ئ ص ۶
۱۴۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۴۳
۱۵۔ محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، ص ۲۲۳
۱۶۔ الخضری، محمد، تاریخ التشریع الاسلامی، قاہرہ ۱۹۶۵ئ، ص ۳۲
۱۷۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۳
۱۸۔ صبحی محمصانی، اسلامی فلسفۂ قانون کی جدید تشکیل، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر ۱۹۸۵ئ)، ج ۲ ص ۳۸
۱۹۔ معارف (اعظم گڑھ)، دسمبر ۱۹۹۵ئ، ص ۴۱۳
۲۰۔ حوالہ سابق
۲۱۔ معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۹۸ء ص ۹۰
۲۲۔ محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، ص ۵۲۱
۲۳۔ حوالہ سابق
۲۴۔ حوالہ سابق، ص ۵۳۰
۲۵۔ شبلی نعمانی، امام اعظم، ص ۱۶۹، لاہور، س۔ن
۲۶۔ سید نوشہ علی، مسلمانان ہندو پاکستان کی تاریخ تعلیم، کراچی ۱۹۶۲ئ، ص ۱۷۴
۲۷۔ معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۹۸ء ص ۹۴
۲۸۔ حوالہ سابق، ص ۹۵
۲۹۔ رضوی، محمد شہاب الدین، مولانا نقی علی خان بریلوی، لاہور، ۱۹۹۶ئ، ص ۲۹
۳۰۔ محمد مسعود احمد، فتاویٰ مسعودی، کراچی، ۱۹۸۷ئ، ص ۴۲
۳۱۔ فاروقی، اقبال احمد، دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کا تعارف، لاہور، ۱۹۹۰ئ، ص ۱۱
۳۲۔ محمد طیب، دارالعلوم دیوبند: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، دیوبند، ۱۹۶۵ئ، ص ۳۰
۳۳۔ http://www.darululoom-deoband.com
۳۴۔ ان فتاویٰ پر ڈاکٹر حافظ غلام یوسف نے 'فکر ونظر' (جلد: ۳۹، شمارہ: ۴۔ جلد: ۴۰ شمارہ ۱) اور ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے 'فکر ونظر' (جلد: ۴۴، شمارہ: ۱) میں انتہائی جامع اور مفصل مضامین لکھے ہیں، جن میں ان کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مجیب احمد کی کتاب 'جنوبی ایشیا کے اردو مجموعہ ہائے فتاویٰ' (مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن) بھی قابل مطالعہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزادؒ اور نظمِ قرآن

محترمہ نشا حلیم

مختصر حالاتِ زندگی

مولانا ابوالکلام آزاد ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ/ستمبر ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ان کا آبائی وطن دہلی، مادری وطن مدینہ منورہ اور مولد مکہ مکرمہ ہے۔ ان کا تاریخی نام فیروز بخت ہے۔ا۔ ان کی ابتدائی زندگی مکہ میں ہی گزری۔ شیخ عبداللہ نامی بزرگ کے ہاتھوں ۱۸۹۲ء میں ان کی رسم بسم اللہ کی تقریب ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی۔ختم قرآن کے بعد انھوں نے حرم کے سب سے بڑے شیخ حسن کے پاس قراءت سیکھنے کے لیے جانا ہی شروع کیا تھا کہ ان کے والد مولانا خیرالدین (مع اہل واعیال) ہندوستان کے شہر کلکتہ منتقل ہو گئے۔وہ یہاں اپنے علاج کے سلسلے میں آئے تھے۔جب صحت یاب ہو کر مکہ جانے لگے تو ان کی اہلیہ (مولانا آزاد کی والدہ) کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے انھیں اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا، لہٰذا یہاں رک گئے۔کلکتہ میں مولانا خیرالدین اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے فکرمند تھے،لیکن وہ کسی سبب سے عام مدارس میں ان کی تعلیم پسند نہیں کرتے تھے۔اس لیے انھوں نے تعلیم کا انتظام گھر پر ہی کیا۔ پہلے خود پڑھاتے رہے، پھر مولوی محمد یعقوب، مولوی نذیرالحسن انبیٹھوی، مولوی محمد ابراہیم، مولوی محمد عمر اور شمس العلماء مولوی سعادت حسین سے بھی تعلیم دلائی۔ ۱۹۰۳ تک مولانا آزاد نے درس نظامی سے فراغت پالی تھی۔۲۔ اسی زمانے میں ان کی نثر نگاری کا آغاز ہوا۔ ابتدائی مضامین احسن الاخبار، مخزن، تحفۂ احمدیہ لاہور وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔ ۲۰ر نومبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۰۳ء کو کلکتہ سے ماہ نامہ 'لسان الصدق' نکالا، جو ایک برس جاری رہا۔ اس کے اہم مقاصد سوشل ریفارم، ترقی اردو، علمی مذاق کی اشاعت اور تنقید تھے۔ اس ماہ نامہ کی وجہ سے مولانا آزاد کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ اس میں شائع ہونے والی ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر انجمن حمایتِ اسلام نے انھیں لاہور آنے کی دعوت دی۔ علامہ شبلی ان کی صلاحیتوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ رسالہ الندوہ کی ادارت ان کے سپرد کردی۔[۳] اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک تقریباً چھ ماہ انھوں نے اس کی ادارت کی، اس کے بعد دیگر مصروفیات کی بنا پر اس کام کو چھوڑ دیا۔ بعد ازاں کچھ مدت اخبار وکیل امرتسر کے ایڈیٹر رہے۔ والد کی وفات کے بعد کم وبیش دو سال ایران و عراق کی سیاحت میں گزارے۔[۴]

مولانا آزاد نے ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء سے کلکتے سے ہفت روزہ الہلال نکالا، جو ۱۶ر نومبر ۱۹۱۴ء کو بند ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ایک طرف تفسیر ترجمان القرآن کے کام میں مصروف ہو گئے اور دوسری طرف انھوں نے ۱۳ ر نومبر ۱۹۱۵ء سے البلاغ جاری کیا، جو نام کے سوا سراپا الہلال تھا۔ اس کے ساتھ 'دار الارشاد' قائم ہوا، جس میں ان نوجوانوں کو قرآن حکیم کا درس دیا جاتا تھا جو اپنی زندگیاں خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دینے پر آمادہ تھے۔ ترک انگریزوں کے خلاف شریکِ جنگ ہو چکے تھے۔ حکومتِ ہند نمایاں مسلمان لیڈروں سے بہت بدظن تھی، اس لیے ۱۸ر مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومتِ بنگال نے ڈیفینس ایکٹ دفعہ ۳ کے تحت حکم دے دیا کہ مولانا آزاد چار دن کے اندر حدودِ بنگال سے نکل جائیں، چنانچہ البلاغ اور دار الارشاد دونوں بند ہو گئے۔ مولانا رانچی (بہار) چلے گئے، جہاں پانچ ماہ بعد نظر بند کر دیے گئے۔ اس زمانہ میں انہوں نے حکومت سے کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا۔ قیام رانچی کے زمانے میں ان کی رہائش گاہ کی دو بار تلاشی لی گئی، جس میں ترجمان القرآن اور دوسرے کاغذات ضبط کر لیے گئے اور پھر واپس نہیں کیے گئے۔[۵]

مولانا آزاد دو مرتبہ کانگریس کے صدر بنے۔ ۱۹۲۱ء کے بعد انھوں نے کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ رانچی کی نظر بندی سے جون ر ۱۹۴۵ء تک اسیری کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کل مدّت دس سال سات مہینے بنتی ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد حکومت ہند کے وزیر تعلیم بنے اور آخر تک اس عہدے پر فائز رہے۔ مختلف سیاسی ،علمی اور مذہبی خدمات انجام دینے کے بعد بالآخر ۱۹ رفروری ۱۹۵۸ء کو صبح کے وقت ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ مسلسل تین دن تک بے ہوش رہنے کے بعد ۲۲ رفروری ۱۹۵۸ء کو سوا دو بجے اپنے مالک حقیقی سے جاملے اور انہیں جامع مسجد دہلی کے سامنے میدان میں دفن کیا گیا۔ ۶؎

تفسیر ترجمان القرن

مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن پہلی دفعہ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد (سورۂ فاتحہ تا سورۂ انعام) کا پہلا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں دہلی کے جید برقی پریس سے شائع ہوا۔ دوسری جلد (سورۂ اعراف تا آخر سورۂ مومنون) مدینہ برقی پریس بجنور سے ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں شائع کی گئی۔ قرآن کی یہ تفسیر صرف اٹھارہ پاروں تک پہنچ کر نامکمل رہ گئی۔ اس کے علاوہ مولانا آزاد نے اپنی مختلف تصانیف، مضامین، اور مقالات میں قرآن کی جن آیات اوران کے ترجموں کا بہ کثرت استعمال کیا تھا، مولانا غلام رسول مہر نے ان کو جمع کرکے 'باقیات ترجمان القرآن' کے نام سے تیسری جلد میں جمع کر دیا ہے۔ اسے شیخ غلام علی اینڈ سنسز نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ ترجمان القرآن کی دونوں جلدیں مولانا آزاد نے اپنی زندگی میں بڑے اہتمام سے شائع کی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد اس تفسیر کو ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی نے چار جلدوں میں طبع کیا ہے۔ ۷؎

نظم قرآن مولانا آزاد کی نظر میں

نظم قرآن تفسیر کا ایک مہتم بالشان موضوع ہے۔ مفسرین نے بالعموم قرآن کے کلّی نظم کو واضح کیا ہے۔ کچھ اہل علم نے پوری سورت کو ایک وحدت تصور کر کے اس کا عمود متعین کرنے کی سعی کی ہے۔ قرآن کے چند خادموں نے آیات کے باہمی رابطے کو متعین کرنے کی سعی کی ہے۔ ترجمان القرآن میں ان سب کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزاد کے یہاں بھی قرآن مجید میں تین قسم کے نظم کا احساس ہوتا ہے:

۱– قرآن مجید کا کلی نظم: یہ نظم پورے قرآن، از اول تا آخر (سورہ الفاتحہ سے سورہ الناس تک) کے نظم کا نام ہے۔

۲– سورتوں کا اندرونی نظم: ہر سورہ کا کوئی نہ کوئی مرکزی مقصد ہوتا ہے، جس کے گرد اس سورہ کے تمام مضامین ومطالب گردش کرتے ہیں۔ اسی سے سورہ کا اندرونی نظم قائم ہوتا ہے، یہاں تک کہ اوائل سور اور خواتم سور میں بھی نظم وربط ہوتا ہے۔

۳– آیات کا باہمی نظم: تمام آیات باہم دگر متصل اور مربوط ہیں۔

آئندہ مثالوں کے ذریعہ وضاحت کی جائے گی کہ مولانا آزادؒ نے اپنی تفسیر میں ان کو کس طرح بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید کا کلّی نظم

قرآن مجید میں از اول تا آخر نظم پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزادؒ سورۂ فاتحہ کے شروع میں فرماتے ہیں:

> ''پورا قرآن سورۂ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل ہے۔ اس سورہ کو قرآن مجید کی ترتیب میں سب سے پہلے جگہ دی گئی ہے، اس لیے اسے فاتحہ الکتاب کہا جاتا ہے، جس کے صاف معنی دیباچۂ قرآن کے ہیں ـــــ حدیثوں میں اس کے دوسرے نام بھی آئے ہیں، جن سے اس کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے، مثلاً ام القرآن الکافیۃ، الکنز، اساس القرآن ـــــــ اس سورت کو ام القرآن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی سورت ہے جس میں مطالبِ قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہے ـــــــ اساس القرآن کے معنٰی ہیں قرآن کی بنیاد۔ الکافیۃ کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہو۔ الکنز خزانہ کو کہتے ہیں، چنانچہ اس سورہ کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بقیہ حصے میں اجمال اور تفصیل کا تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، سورۂ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے۔ اس لحاظ سے سورۂ فاتحہ قرآن کا قلب ہے۔"۸ے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین حق کا ماحصل کیا ہے؟ اس کو مولانا نے چار باتوں پر مشتمل قرار دیا ہے: "اول: خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور، دوم: قانون مجازات کا اعتقاد، یعنی نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے کا برائی۔ سوم: معاد کا یقین، یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی، اس کے بعد بھی زندگی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چہارم: فلاح و سعادت کی راہ کیا ہے؟ اور اس کی پہچان کیا ہے؟ یہ چاروں چیزیں سورۂ فاتحہ میں مجملاً موجود ہیں"۹ے

آگے کہتے ہیں:

"اب غور کرو، ان باتوں کا خلاصہ اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے! ایک طرف زیادہ سے زیادہ مختصر، حتیٰ کہ گنے ہوئے الفاظ ہیں، دوسری طرف ایسے جچے تلے الفاظ کہ ان کے معانی سے پوری وضاحت اور دل نشینی پیدا ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی نہایت سیدھا سادا بیان ہے، کسی طرح کا پیچ و خم نہیں، کسی طرح کا الجھاؤ نہیں" ۱۰ے

سورۂ فاتحہ کی ابتدا حمد کے اعتراف سے ہوتی ہے۔ اللہ کے تصور کے بارے انسان کی ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اس تصور کو وہ محبت کی جگہ خوف و دہشت کی چیز بنالیتا تھا۔ سورۂ فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ نے اسی گم راہی کا ازالہ کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"حمد ثناء جمیل کو کہتے ہیں، یعنی اچھی صفتوں کی تعریف کرنے کو۔ ثناء جمیل اس کی کی جا سکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو۔ پس 'حمد' کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہوسکتا۔ جو ذات محمود ہو گی وہ خوف ناک نہیں ہوسکتی"۱۱ے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حمد کے بعد اللہ کی جن صفات کو نمایاں کیا گیا ہے وہ ربوبیت، رحمت اور عدالت ہیں۔ صفاتِ باری کے ذیل میں مولانا نے کتنی اہم بات کہی ہے کہ ”انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں، صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں۔“۱۲؎

رب العالمین میں اللہ تعالیٰ کی عالم گیر ربوبیت کا اعتراف ہے، جو ظاہر و باطن دونوں پر حاوی ہے۔ اس کی رحمت کاملہ ہے، جو سارے عالم کا احاطہ کرتی ہے۔ وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی، یعنی رحمت کی صفت اس میں محض عارضی نہیں، دائمی ہے۔ مالک یوم الدین میں جزا وسزا کا تصور پنہاں ہے، جس سے ذہن اللہ تعالیٰ کی قہاری وجباری کی طرف مبذول ہوتا ہے۔ مولانا نے اس کی توضیح وتشریح اتنے خوب صورت انداز میں کی ہے کہ قہر وجلال کا رشتہ عدل وانصاف سے جڑ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ”جزا وسزا کو 'دین' کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ جزا وسزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج وخواص ہیں۔ یہ بات نہیں کہ خدا کا غضب وانتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو۔“

اس ضمن میں مزید کہتے ہیں:

> ”اگر کائناتِ ہستی میں صفاتِ رحمت وجمال کے ساتھ قہر وجلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ پروردگار عالم میں غضب وانتقام ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لیے ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافیٔ رحمت نہیں ہے، بلکہ عین رحمت ہے“۱۳؎

سورۂ فاتحہ میں آگے 'نَعۡبُدُکَ' (ہم تیری عبادت کرتے ہیں) نہیں کہا گیا، بلکہ حصر کے ساتھ 'اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ' (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں)۔ اس سے متعلق مولانا آزاد کہتے ہیں:

> ”اس اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیے اور شرک کی ساری راہیں بند ہو گئیں“۱۴؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر میں مولانا نے فلاح وسعادت کی راہ کو 'الصِّراطَ المُستَقِیم' سے تعبیر کیا، جس سے زیادہ بہتر اور قدرتی تعبیر نہیں ہوسکتی: ''دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان، خواہ کسی ملک وقوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک 'انعام یافتہ' انسان ہیں اور انہی کی راہ 'الصِّراطَ المُستَقِیم' ہے'' ۔۱۵؎

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ کا تعلق پورے قرآن سے ہے۔ قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ اس سورت میں نہایت خوبی کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے۔

قرآن کے کلّی نظم کی وضاحت مولانا آزاد کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں اور اس کی تمام تفصیلات انہی کے گرد گردش کرتی ہیں۔ جب تک یہ مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی چند مرکزی مقاصدومہمات ہیں۔ جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لیے جائیں، اس کی کوئی بات صحیح طور پر نہیں سمجھی جاسکتی'' ۱۶؎

سورتوں کا اندرونی نظم

جس طرح سورۂ فاتحہ پورے قرآن کے مضامین کے خلاصے پر مشتمل ہے اسی طرح ہر سورہ کا ایک مرکزی مقصد ہوتا ہے، جس کے گرد سورہ کے تمام مضامین ومطالب گردش کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے سورہ کی تمام آیتوں میں نظم وربط قائم ہوتا ہے۔

پہلی مثال

مثال کے طور پر مولانا نے سورہ مائدہ کے نظم سے متعلق لکھا ہے:

(سورہ المائدہ کا مرکزی مقصد) 'عہد وپیمان' ہے۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کا عہدِ ایمان یاد دلایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنے اس عہد کو پورا کرو جو تم مضبوطی کے ساتھ خدا سے ٹھہرا چکے ہو۔ یاد کرو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب تم نے دعوتِ ایمان قبول کرتے ہوئے کہا تھا (خدایا) **سمعنا و اطعنا** (المائدۃ: ۷) (ہم نے تیرا فرمان سنا اور ہم نے اسے قبول کیا)۔ خدا سے اس وقت تم نے اطاعت حق کا عہد و پیمان لیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں فرماتا ہے: '' **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ** ''مسلمانو! اپنے معاہدے کو پورا کرو، یعنی احکامِ الٰہی کی اطاعت کا جو عہد کر چکے ہو اسے سچائی کے ساتھ پورا کرو۔ سچائی کے ساتھ پورا کرنا یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جائے، کرو، جن سے روک دیا جائے، رک جاؤ۔'' ۱۷؎

اس مرکزی مضمون سے سورہ کی تمام آیات کا ربط جوڑتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''اس کے بعد اوامر و نواہی کا بیان شروع ہو جاتا ہے اور پوری سورہ میں جستہ جستہ حسب ضرورت و مناسبت جاری رہتا ہے'' ۱۸؎

امت مسلمہ سے پہلے یہ عہد و پیمان اہلِ کتاب سے بھی لیا گیا تھا، لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے، اس وجہ سے معزول کر دیے گئے اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دی اور اس کو اپنی کامل شریعت کا حامل اور امین بنایا۔ اس لیے مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم پچھلی امتوں کی طرح خدا کی شریعت کے معاملے میں خائن اور غدار نہ بن جانا، بلکہ پوری وفاداری اور کامل استواری کے ساتھ اس عہد کو نبھانا، کیونکہ:

''دین اسلام کامل ظہور میں آ گیا، نعمت الٰہی پوری کر دی گئی، اب تمہارا فرض ہے کہ تذکیر نعمت سے غافل نہ ہو اور اطاعتِ حق میں اخلاص و استقامت کے ساتھ کوشاں رہو'' ۱۹؎

اس طرح سورۂ مائدہ کی تمام آیتوں میں شروع سے آخر تک ایک منطقی ربط صاف محسوس ہوتا ہے اور اس کا اندورنی نظام اس کے مرکزی مقصد سے پوری طرح وابستہ نظر آتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری مثال

سورتوں کے اندرونی نظم کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ سورہ کے شروع میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہی آخر میں بھی مذکور ہوتا ہے۔ اس طرح پوری سورہ از اول تا آخر مربوط ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور سورۂ آل عمران کی ابتداء میں الکتاب (قرآن) کا ذکر ہے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> ''خدا انسان کی روحانی سعادت کے لیے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں، سعادت و کامرانی پاتے ہیں۔ جو شرارت و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں، نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت 'الکتاب' یعنی قرآن نازل ہوا ہے'' [۲۰]

> اور سورہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
>
> ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن'' (آل عمران: ۲۰۰)
>
> (مسلمانو! اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو تا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو)

مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ سورت کی ابتداء جس بیان سے ہوئی تھی، اس کا اختتام بھی اسی بیان پر ہوا ہے۔ گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل یہ ہے:

الف۔ ''دعوتِ قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی و تدبیر کریں اور بہ ظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوش حال نظر آئیں، لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوتِ قرآن کام یاب ہو۔

ب۔ اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوتِ حق کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے بالآخر نامرادی ہی ہے۔ البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کریں گے تو ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ اپنی راست بازی و نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے اور خدا کا قانون محاسبۂ اعمال میں سست رفتار نہیں۔

ج۔ پیروانِ دعوتِ قرآن کے لیے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں۔ راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو کام یابی انہی کے لیے ہے۔''۲۱؎

آیات کا باہمی نظم

جہاں تک آیات کے باہمی نظم کا سوال ہے تو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں آیات کی تاویل وتوجیہ کرتے ہوئے نظم کلام کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔ آیات کے باہمی نظم کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

سورۂ بقرہ میں انفاق کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، جس کا سلسلہ آیت ۲۵۴ سے آیت ۲۷۳ تک پھیلا ہے اور اس میں مسلمانوں کو مختلف حیثیتوں سے انفاق کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے بعد آیت ۲۷۴ سے سود کا بیان شروع ہوا ہے، جس کا سلسلہ آیت ۲۸۱ تک چلا گیا ہے۔ ان آیات کے درمیان ربط واضح کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> ''نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشوونما نہیں پاسکتی تھی اگر اس کا حکم دیتے ہوئے ان باتوں سے بھی روک نہ دیا جاتا جو ٹھیک اس کی ضد ہیں۔ پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سود کی بھی ممانعت کردی گئی، جو دنیا کی تمام قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھا''۲۲؎

انفاق اور سود میں نسبت ضدین کی ہے۔ جب تک تصویر کے دونوں رخ سامنے نہیں ہوتے اس وقت تک بات بالکل کھل کر سامنے نہیں آتی۔ اس لیے قرآن کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ معاملات کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس کے متعلق گفتگو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے۔ اگر انفاق آدمی کے اندر کشادہ دلی، عالی ظرفی، بلند حوصلگی اور ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی و محبت کا نیک جذبہ پیدا کرتا اور اسے پروان چڑھاتا ہے تو لازماً سود اس کی ضد کی حیثیت سے اس کے اندر تنگ دلی، پست ہمتی، مفاد پرستی، خود غرضی اور لوگوں کے ساتھ سنگ دلی وغیرہ جیسے برے جذبات پیدا کرے گا، جو اس کی ہلاکت کا موجب ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سودی کاروبار سے قطعاً منع کیا ہے۔

مولانا آزاد کی تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آیات اور سورتوں کے ربط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن کا مفہوم سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اپنی تفسیر میں ان شکوک و شبہات کی بھی نشان دہی کی ہے جو ربط و نظم کو سمجھنے میں مانع ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ’’قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات و روابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لیے ہیں کہ فطرت سے بُعد ہو گیا اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو بھی ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں‘‘ ۲۳؎

مولانا کی رائے ہے کہ قرآن مجید کو اس طرح سمجھنا چاہیے جس طرح اس کے اولین مخاطبین نے سمجھا تھا، نہ کہ اس طرح جس کا سانچہ، بہ قول ان کے، تمدن کے وضعی اور صناعی عوامل نے ڈھال دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

> ’’قرآن حکیم اپنے وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرض کہ اپنی ہر بات میں دنیا کے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے اور نہ اسے پابند ہونا چاہیے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے مثل اور فطری طریقہ رکھتا ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو انبیاء علیہم السلام کے طریق ہدایت کو علم و حکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ قرآن جب نازل ہوا تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدّن کے وضعی اور صناعی سانچوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا اور فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل ومعنی میں، جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ویسا ہی دلوں میں بس گیا اور انہیں قرآن کے فہم ومعرفت میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوئی۔ صحابۂ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور سنتے ہی اس کی حقیقت پا لیتے تھے۔ لیکن صدر اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم وایران کے تمدّن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم وفنون وضعیہ کا دور شروع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں نا آشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آ گیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چوں کہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہونے لگے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں، الجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔ ۲۴ے

مذکورہ بالا اقتباس سے بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا آزادؒ قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کو وضعیت وصناعیت سے پاک رکھ کر اس کو بنیادی فطرت کے مطابق سمجھنا اور سمجھانا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ نظم وترتیب اور مناسبت وموافقت کی یہ دقّت اہلِ عرب کو پیش نہ آئی، کیوں کہ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ان کا دماغ نہیں ڈھلا تھا، بلکہ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ قرآن اپنی شکل ومعنی میں جیسا واقع ہوا، ٹھیک ویسا ہی ان کے دلوں میں بس گیا اور انہیں قرآن کے فہم ومعرفت میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوئی۔ لہٰذا ربط ونظم کی باریکیوں کو سمجھنے اور کلام کے منطقی تسلسل کے ادراک کی صلاحیت کو پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے فلسفیانہ اور منطقیانہ پردوں کو ہٹا کر قرآن کو اس کی اصلی فطرت میں واضح کیا جائے اور وضعیت کے استغراق نے منطق کا جو سانچہ ہمیں دیا ہے، اس سے ہٹ کر قرآن کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کیا جائے۔

© rasailojaraid.com